

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آیات ۲۱ تا ۲۹

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۝ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۝ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ ۝ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۝ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۝ كُلَّمَا رَزَقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ ۝ وَأَتُوا بِهِمْ مِثْلَابَهُمْ ۝ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۝ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَمَا قَوْحَهَا ۝ فَآمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۝ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۝ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۝ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ ۝ وَيَقْطَعُونَ مَا

أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُونَ ﴿٦٠﴾ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ
يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٦١﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا ۖ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ ۚ
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٢﴾

سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع میں قرآن کی دعوت کا خلاصہ آ گیا ہے کہ قرآن اپنے
مخاطب کو کیا ماننے کی دعوت دیتا ہے اور اُس کی پکار کیا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں
سورۃ البقرۃ کے نزول سے قبل دو تہائی قرآن نازل ہو چکا تھا۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے
وہ قرآن بعد میں آئے گا، لیکن ترتیب نزولی کے اعتبار سے وہ پس منظر میں موجود ہے۔ لہذا
سورۃ البقرۃ کے پہلے دو رکوعوں میں مکی قرآن کے مباحث کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اور
تیسرے رکوع میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور لب لباب آ گیا ہے جبکہ قرآن مجید کا
فلسفہ اور بعض نہایت اہم موضوعات و مسائل کا خلاصہ جو تھے رکوع میں بیان ہوا ہے۔ اب ہم
تیسرے رکوع کا مطالعہ کر رہے ہیں:

**آیت ۲۱ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ﴾﴾** ”اے لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب (مالک) کی جس نے تم کو
پیدا کیا اور تم سے پہلے جنے لوگ گزرے ہیں (انہیں بھی پیدا کیا) تاکہ تم بچ سکو۔“
یہ قرآن کی دعوت کا خلاصہ ہے اور یہی تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی دعوت تھی۔ سورۃ
الاعراف اور سورۃ ہود میں ایک ایک رسول کا نام لے کر اس کی دعوت ان الفاظ میں بیان کی
گئی ہے: ﴿يَقُولُوا اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾ ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی
بندگی کرو تمہارا کوئی اور الہ اُس کے سوا نہیں ہے۔“ سورۃ الشعراء میں رسولوں کی دعوت کے
ضمن میں بار بار یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا﴾ ”پس اللہ کا تقویٰ اختیار
کرو اور میری اطاعت کرو۔“ سورۃ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت ان الفاظ میں بیان
ہوئی: ﴿إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا﴾ ”کہ اللہ کی بندگی کرو اس کا تقویٰ اختیار
کرو اور میری اطاعت کرو!“

پھر از روئے قرآن یہی عبادت رب انسان کی غایت تخلیق ہے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ

الْحَيِّ وَالْإِنْسَ الْأَلِيعُودُونَ ﴿١٠﴾ (الذریٰ) ”اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی صرف اس لیے کیا ہے کہ ہماری بندگی کریں۔“ چنانچہ تمام رسولوں کی دعوت یہی ”عبادت رب“ ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت بھی یہی ہے، لیکن یہاں ایک بہت بڑا فرق واقع ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ باقی تمام رسولوں کی دعوت کے ضمن میں صیغہ خطاب ”یَلْقُومُ“ ہے۔ یعنی ”اے میری قوم کے لوگو!“ جبکہ یہاں صیغہ خطاب ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“ یعنی ”اے بنی نوع انسان!“ معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے تمام رسول ﷺ صرف اپنی اپنی قوموں کی طرف آئے، جبکہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری اور کامل رسول ہیں جن کی دعوت آفاقی ہے۔

عام طور پر لوگ جو غلط راستہ اختیار کر لیتے ہیں اُس پر اس دلیل سے جبر رہتے ہیں کہ ہمارے آباء و اجداد کا راستہ یہی تھا۔ ﴿الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ کے الفاظ میں اس دلیل کا رد بھی موجود ہے کہ جیسے تم مخلوق ہو دیے ہی تمہارے آباء و اجداد بھی مخلوق تھے، جیسے تم خطا کر سکتے ہو اسی طرح وہ بھی تو خطا کر سکتے تھے۔ لہذا یہ نہ دیکھو کہ آباء و اجداد کا راستہ کیا تھا، بلکہ یہ دیکھو کہ حق کیا ہے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ”تا کہ تم بچ سکو۔“ یعنی دنیا میں افراط و تفریط کے دھکوں سے بچ سکو اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ سکو۔ ان دونوں سے اگر بچنا ہے تو اللہ کی بندگی کی روش اختیار کرو۔

بیت ۲۲ ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً﴾ ”جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا اور آسمان کو چھت بنا دیا۔“

﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ ”اور آسمان سے پانی برسایا“
 ﴿فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾ ”پھر اُس (پانی) کے ذریعے سے (زمین سے) ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا۔“
 ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ”تو ہرگز اللہ کے مد مقابل نہ ٹھہرو جو جانتے بوجھتے۔“

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جب تم بھی مانتے ہو کہ اس کائنات کا خالق اللہ کے سوا کوئی نہیں، تو پھر اس کے شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اہل عرب یہ بات مانتے تھے کہ کائنات کا خالق صرف اور صرف اللہ ہے، البتہ جو اُن کے دیوی دیوتا تھے انہیں وہ سمجھتے تھے کہ

یہ اللہ کے اوتار ہیں یا اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ ہیں، اُس کے محبوب ہیں، اُس کے اولیاء ہیں، اُس کی بیٹیاں ہیں، لہذا یہ شفاعت کریں گے تو ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ کائنات کا خالق ایک اللہ ہے، وہی اس کا مدبر ہے تو اب کپی کو اس کا مد مقابل نہ بناؤ۔

اُنْدَاد ”نَدَّ“ کی جمع ہے، اس کا معنی مد مقابل ہے۔ خطبہ جمعہ میں آپ نے یہ الفاظ سنے ہوں گے: ”لَا صِدْقَ لَهُ وَلَا نِدَّ لَهُ“۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) ”یہ کہ تو اس کا کوئی مد مقابل ٹھہرائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔“ (۱) اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کسی درجے میں کوئی شریک یا مد مقابل نہیں ہے۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ اُمت کو اس درجے تو حید کی باریکیوں تک پہنچا کر گئے ہیں کہ ایسے تصورات کی بالکل جڑ کٹ جاتی ہے۔ ایک صحابی نے آپ ﷺ کے سامنے ایسے ہی کہہ دیا: ”مَا شَاءَ اللَّهُ وَمَا شِئْتُ“ یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((أَجْعَلْتَنِي لِلَّهِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ)) ”کیا تو نے مجھے اللہ کا مد مقابل بنا دیا ہے؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تمہارا اللہ چاہے۔“ (۲) اس کائنات میں مشیت صرف ایک ہستی کی چلتی ہے۔ کسی اور کی مشیت اس کی مشیت کے تابع پوری ہو جائے تو ہو جائے، لیکن مشیت مطلقہ صرف اُس کی ہے۔ یہاں تک کہ قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (القصص: ۵۶)

”((اے نبی!) یقیناً آپ جسے چاہیں اُسے ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“

اگر ہدایت کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہوتا تو ابوطالب دنیا سے ایمان لائے بغیر

(۱) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله تعالى: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ اُنْدَادًا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾۔ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الشریک اقبح الذنوب..... الخ۔

(۲) ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبدالوہاب نے ”کتاب التوحید“ میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((أَجْعَلْتَنِي وَاللَّهِ عَدُوًّا؟)) ”کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برا کر دیا؟“ (مرتب)

رفعت نہ ہوتے۔

ان دو آیتوں میں توحید کے دونوں پہلو بیان ہو گئے، توحید نظری بھی اور توحید عملی بھی۔ توحید عملی یہ ہے کہ بندگی صرف اُسی کی ہے۔ اب اگلی آیت میں ایمان بالرسالت کا بیان آ رہا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا﴾ ”اور اگر تم واقعتاً شک میں ہو اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اتارا اپنے بندے پر (کہ یہ ہمارا نازل کردہ ہے یا نہیں)“

﴿فَاتَّبِعُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ﴾ ”تو لے آؤ ایک ہی سورت اس جیسی۔“

”تعارف قرآن“ (۱) میں یہ بات تفصیل سے بیان کی گئی تھی کہ قرآن حکیم میں ایسے پانچ مقامات ہیں جہاں پر یہ چیلنج موجود ہے کہ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ کلام محمد (ﷺ) کی اختراع ہے تو تم بھی مقابلے میں ایسا ہی کلام پیش کرو۔ سورۃ الطور کی آیات ۳۳، ۳۴ میں ارشاد ہوا: ”کیا ان کا یہ کہنا ہے کہ اسے محمد (ﷺ) نے خود گھڑ لیا ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ماننے کو تیار نہیں۔ پھر چاہیے کہ وہ اسی طرح کا کوئی کلام پیش کریں اگر وہ سچے ہیں۔“ سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۸۸) میں فرمایا گیا کہ ”اگر تمام جن و انس جمع ہو کر بھی اس قرآن جیسی کتاب پیش کرنا چاہیں تو ہرگز نہیں کر سکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔“ پھر سورۃ ہود (آیت ۱۳) میں فرمایا گیا کہ ”(اے نبی!) ان سے کہہ دیجیے (اگر پورے قرآن کی نظیر نہیں لا سکتے) تو ایسی دس سورتیں ہی گھڑ کر لے آؤ!“ اس کے بعد مزید نیچے اتر کر جسے برسمیل تنزل کہا جاتا ہے سورۃ یونس (آیت ۳۸) میں اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آنے کا چیلنج دیا گیا۔ مذکورہ بالا تمام مقامات کی سورتوں میں ہیں۔ پہلی مدنی سورۃ ”البقرۃ“ کی آیت زیر مطالعہ میں یہی بات بڑے اہتمام کے ساتھ فرمائی گئی کہ اگر تم لوگوں کو اس کلام کے بارے میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے (کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے) تو اس جیسی ایک سورت تم بھی موزوں کر کے لے آؤ! یہ ایک سورت سورۃ العصر کے مساوی بھی ہو سکتی تھی سورۃ الکوثر کے مساوی بھی ہو سکتی تھی۔

﴿وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقٰیْنَ﴾ ”اور بلا لو اپنے

(۱) ”تعارف قرآن“ پر مشتمل سلسلہ مضامین حکمت قرآن کے صفحات میں ۲۰۰۵ء کے دوران

شائع ہوتا رہا ہے اور اب یہ کتابی صورت میں دستیاب ہے۔ (مرتب)

سارے مددگاروں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔“

قریش کا خیال یہ تھا کہ شعراء کے پاس جن ہوتے ہیں جو انہیں شعر سکھاتے ہیں، ورنہ عام آدمی تو شعر نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ فرمایا کہ جو بھی تمہارے مددگار ہوں، ایک اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی تم مدد حاصل کر سکتے ہو جنات ہوں یا انسان ہوں، خطیب ہوں، شعراء ہوں یا ادیب ہوں، ان سب کو جمع کر لو اور اس قرآن جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ، اگر تم سچے ہو۔

قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنے اندر جھانکنے کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ یہاں گویا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہا جا رہا ہے کہ حقیقت میں تمہیں اس قرآن کے کلام الہی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، یہ تو تمہیں بات بتا رہا ہے۔ اگر تمہیں واقعتاً شک ہے، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو آؤ میدان میں اور اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ!

آیت ۲۴ ﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا﴾ ”پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو، اور ہرگز نہ کر سکو گے!“

ذرا انداز دیکھئے، کیسا متحدی اور چیلنج کا ہے! اور یہ چیلنج اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ انداز دنیا کی کسی کتاب کا نہیں ہے، یہ دعویٰ صرف قرآن کا ہے۔ کیسا دو ٹوک انداز ہے: ”پھر اگر تم نہ کر پاؤ، اور تم ہرگز نہیں کر پاؤ گے۔“

﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ ”تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر۔“

جہنم کے ایندھن کے طور پر پتھروں کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ اس کے دو امکانات ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کو معلوم ہے پتھر کے کونسلے کی آگ عام لکڑی کے کونسلے کے مقابلے میں بڑی سخت ہوتی ہے۔ لہذا جہنم کی آگ بہت بڑے بڑے پتھروں سے دھکائی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ مشرکین نے جو معبود تراش رکھے تھے وہ پتھر کے ہوتے تھے۔ مشرکین کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے ساتھ تمہارے ان معبودوں کو بھی جہنم میں جھونکا جائے گا تاکہ تمہاری حسرت کے اندر اضافہ ہو کہ یہ ہیں وہ معبودانِ باطل جن سے ہم دعائیں مانگا کرتے تھے، جن کے سامنے ماتھے ٹیکتے تھے، جن کے سامنے ڈنڈوت کرتے تھے، جن کو چڑھاوے چڑھاتے تھے!

﴿اعْذَتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ ”تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔“

یہ جہنم مکرمین حق کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اب یہاں گویا ایمان باللہ اور ایمان

بالرسالت کے بعد ایمان بالآخرت کا ذکر آ گیا۔

آیت ۲۵ ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”اور بشارت دے دیجیے (اے نبی! ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے“
﴿أَنَّ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”کہ ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی۔“

یہ لفظی ترجمہ ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ اس لیے کہ فطری باغ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جس میں ذرا اونچائی پر درخت لگے ہوئے ہیں اور دامن میں ندی بہہ رہی ہے جس سے خود بخود آب پاشی ہو رہی ہے اور درختوں کی جڑوں تک پانی پہنچ رہا ہے۔

﴿كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا﴾ ”جب بھی انہیں دیا جائے گا وہاں کا کوئی پھل رزق کے طور پر (یعنی کھانے کے لیے)“
﴿قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ ”وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی ملتا تھا“

﴿وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا﴾ ”اور دیے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے۔“
اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جنت میں اہل جنت کی جو ابتدائی دعوت یا ابتدائی ضیافت (نہل) ہوگی اس میں انہیں وہی پھل پیش کیے جائیں گے جو دنیا میں معروف ہیں مثلاً انار، انگور، شیب، کھجور وغیرہ۔ اہل جنت انہیں دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو ہم دنیا میں کھاتے آئے ہیں، لیکن جب انہیں چکھیں گے تو ظاہری مشابہت کے باوجود ذائقے میں زمین و آسمان کا فرق پائیں گے۔ اور ایک مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ اہل جنت کو جنت میں بھی وہی پھل ملتے رہیں گے، لیکن ہر بار ان کا ذائقہ بدلتا رہے گا۔ ان کی شکل و صورت وہی رہے گی، لیکن ذائقہ وہ نہیں رہے گا۔ لہذا یہ دنیا والا معاملہ نہیں ہوگا کہ ایک ہی شے کو کھاتے کھاتے انسان کی طبیعت بھر جاتی ہے۔

﴿وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ﴾ ”اور ان کے لیے اُس (جنت) میں نہایت پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔“

﴿وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”اور وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔“

ان پانچ آیات (۲۱ تا ۲۵) میں ایمانیات ثلاثہ یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور

ایمان بالآخرۃ کی دعوت آگئی۔ اب آگے کچھ ضمنی مسائل زیر بحث آئیں گے۔
آیت ۲۶ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَمَا فَوْقَهَا﴾
 ”یقیناً اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے
 بڑھ کر ہے۔“

کفار کی طرف سے قرآن کے بارے میں کئی اعتراضات اٹھائے جاتے تھے۔ وہ کبھی
 بھی اُس چیلنج کا مقابلہ تو نہ کر سکے جو قرآن نے انہیں ﴿فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ﴾ کے الفاظ
 میں دیا تھا، لیکن خواہ مخواہ کے اعتراضات اٹھاتے رہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کسی
 مصور کی تصویر پر اعتراض کرنے والے تو بہت تھے لیکن جب کہا گیا کہ یہ برش لیجیے اور ذرا اس
 کو ٹھیک کر دیجیے تو سب پیچھے ہٹ گئے۔ قرآن کے مقابلے میں کوئی سورت لانا تو ان کے لیے
 ممکن نہیں تھا لیکن ادھر ادھر سے اعتراضات کرنے کے لیے ان کی زبانیں کھلتی تھیں۔ اُن
 میں سے ان کا ایک اعتراض یہاں نقل کیا جا رہا ہے کہ قرآن مجید میں مکھی کی تشبیہ آئی ہے یہ تو
 بہت حقیر سی شے ہے۔ کوئی اعلیٰ متکلم اپنے اعلیٰ کلام میں ایسی حقیر چیزوں کا تذکرہ نہیں کرتا۔
 قرآن مجید میں مکڑی جیسی حقیر شے کا بھی ذکر ہے چنانچہ یہ کوئی اعلیٰ کلام نہیں ہے۔ یہاں اس
 کا جواب دیا جا رہا ہے۔ دراصل تشبیہ اور تمثیل کے اندر مثل لہ اور مثل بہ میں مناسبت اور
 مطابقت ہونی چاہیے۔ یعنی کوئی تمثیل یا تشبیہ بیان کرنی ہو تو جس شے کے لیے تشبیہ دی جا
 رہی ہے اُس سے مطابقت اور مناسبت رکھنے والی شے سے تشبیہ دی جانی چاہیے۔ کوئی شے
 اگر بہت حقیر ہے تو اسے کسی عظمت والی شے سے آخر کیسے تشبیہ دی جائے گی؟ اسے تو کسی حقیر
 شے ہی سے تشبیہ دی جائے گی تو تشبیہ کا اصل مقصد پورا ہوگا۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے
 لیے یہ کوئی شرم یا عار کی بات نہیں ہے کہ وہ مچھر کی مثال بیان کرے یا اس چیز کی جو اس سے
 بڑھ کر ہے۔ لفظ ”فَوْقَهَا“ (اس سے اوپر) میں دونوں معنی موجود ہیں۔ یعنی کتر اور حقیر
 ہونے میں اس سے بھی بڑھ کر یا یہ کہ اُس سے اوپر کی کوئی شے۔ اس لیے کہ مکھی یا مکڑی
 بہر حال مچھر سے ذرا بڑی شے ہے۔

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ ”تو جو لوگ صاحب

ایمان ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ یقیناً حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔“
 ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا﴾ ”اور جنہوں نے
 کفر کیا سو وہ کہتے ہیں کہ کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے؟“

حق کے منکرناک بھوں چڑھا رہے ہیں اور اعتراض کر رہے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے؟ اس ضمن میں اگلا جملہ بہت اہم ہے۔

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۝﴾ ”گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے اسی کے ذریعے سے بہتوں کو۔“

ان مثالوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہت سوں کو راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہدایت اور گمراہی کا دار و مدار انسان کی اپنی داخلی کیفیت (subjective condition) پر ہے۔ آپ کے دل میں خیر ہے، بھلائی ہے، آپ کی نیت طلبِ ہدایت اور طلبِ علم کی ہے تو آپ کو اس قرآن سے ہدایت مل جائے گی، اور اگر دل میں زلیغ ہے، کجی ہے، نیت میں ٹیڑھ اور فساد ہے تو اسی کے ذریعے سے اللہ آپ کی گمراہی میں اضافہ کر دے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کسی کو ہدایت دینا اور کسی کو گمراہی میں مبتلا کر دینا الٰہی شپ نہیں ہے، کسی قاعدے اور قانون کے بغیر نہیں ہے۔

﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝﴾ ”اور نہیں گمراہ کرتا وہ اس کے ذریعے سے مگر صرف سرکش لوگوں کو۔“

اس سے گمراہی میں وہ صرف انہی کو مبتلا کرتا ہے جن میں سرکشی ہے، تعدی ہے، تکبر ہے۔ اگلی آیت میں اُن کے اوصاف بیان کر دیے گئے۔

﴿الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ ۝﴾ ”جو توڑ دیتے ہیں اللہ کے (ساتھ کیے ہوئے) عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد۔“

اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا عہد ”عہد الست“ ہے جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں آئے گا۔ یہ عہد عالمِ ارواح میں تمام ارواحِ انسانیہ نے کیا تھا، ان میں میں بھی تھا، آپ بھی تھے، سب تھے۔ الغرض تمام کے تمام انسان جتنے آج تک دنیا میں آچکے ہیں اور جو قیامت تک ابھی آنے والے ہیں، اس عہد کے وقت موجود تھے، لیکن صرف ارواح کی شکل میں تھے، جسم موجود نہیں تھے۔ اور یہ بات یاد رکھیے کہ انسان کا روحانی وجود مکمل وجود ہے اور اولاً تخلیق اُسی کی ہوئی تھی۔ ”عہد الست“ میں تمام بنی آدم سے اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) سب نے ایک ہی جواب دیا: بلی (کیوں نہیں!) تو یہ جو فاسق ہیں، نافرمان ہیں، سرکش ہیں، انہوں نے اس عہد کو توڑا اور اللہ کو اپنا مالک

اپنا خالق اور اپنا حاکم ماننے کی بجائے خود حاکم بن کر بیٹھ گئے اور اس طرح کے دعوے کیے: ﴿الْإِنْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ﴾ ”کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟“ غیر اللہ کی حاکمیت (sovereignty) کو تسلیم کرنا سب سے بڑی بغاوت، سرکشی، فتنہ اور نافرمانی ہے خواہ وہ ملوکیت کی صورت میں ہو یا عوامی حاکمیت (Popular Sovereignty) کی صورت میں۔

﴿وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ﴾ ”اور کاٹتے ہیں اُس چیز کو جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے“

اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، یہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ مال کی طلب میں، اُس کے مال کو ہتھیانے کے لیے بھائی بھائی کو ختم کر دیتا ہے۔ انسان اپنی ذاتی اغراض کے لیے اپنے تکبر اور تعلیٰ کی خاطر تمام اخلاقی حدود کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ ہماری شریعت کا فلسفہ یہ ہے کہ ہمیں دو طرح کے تعلقات جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک تعلق ہے بندے کا اللہ کے ساتھ۔ اس کا تعلق ”حقوق اللہ“ سے ہے۔ جبکہ ایک تعلق ہے بندوں کا بندوں کے ساتھ۔ یہ ”حقوق العباد“ سے متعلق ہے۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ اُسے حاکم اور مالک سمجھو اور خود اُس کے بندے بنو۔ جبکہ انسانوں کا حق یہ ہے کہ: ﴿كُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا﴾ ”سب آپس میں بھائی بھائی ہو کر اللہ کے بندے بن جاؤ۔“^(۱) اس ضمن میں اہم ترین رحمی رشتہ ہے، یعنی سگے بہن بھائی۔ پھر دادا دادی کی اولاد میں تمام چچا زاد وغیرہ (cousins) آجائیں گے۔ اس کے اوپر پرداد پر دادی کی اولاد کا دائرہ مزید وسیع ہو جائے گا۔ اسی طرح اوپر چلتے جائیں یہاں تک کہ آدم و حوا پر تمام انسان جمع ہو جائیں گے۔ تو رحمی رشتہ کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں فاسقین کی دو صفات بیان کر دی گئیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے یہ انہیں قطع کرتے ہیں۔

﴿وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔“

متذکرہ بالا دونوں چیزوں کے نتیجے میں زمین میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ انسان اللہ کی اطاعت سے باغی ہو جائیں یا آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگیں تو اس کا نتیجہ فساد فی الارض کی صورت میں نکلتا ہے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابیر و باب الهجرة۔

وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم التحاسد والتباغض والتدابیر۔

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ ”یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔“

یہی لوگ ہیں جو بالآخر آخری اور دائمی خسارے میں رہنے والے ہیں۔

آیت ۲۸ ﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أََمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ﴾ ”تم کیسے کفر کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے پھر اُس نے تمہیں زندہ کیا۔“

﴿ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ ”پھر وہ تمہیں مارے گا پھر چلائے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔“

اس مقام پر ایک بڑی گہری حکمت اور فلسفے کی بات بیان کی گئی ہے جو آج نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہے۔ وہ یہ کہ ہم دنیا میں آنے سے پہلے مردہ تھے (کُنْتُمْ أََمْوَاتًا)۔ اس کے کیا معنی ہیں؟

یہ مضمون سورۃ غافر سورۃ المؤمن میں زیادہ وضاحت سے آیا ہے جو سورۃ البقرۃ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ لہذا یہاں اجمالی تذکرہ ہے۔ وہاں اہل جہنم کا قول بایں الفاظ نقل ہوا ہے: ﴿رَبَّنَا آمَنَّا أَثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا أَثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّنْ سَبِيلٍ﴾ ”اے ہمارے رب! تو نے دو مرتبہ ہم پر موت وارد کی اور دو مرتبہ ہمیں زندہ کیا اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے تو اب یہاں سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟“ اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ انسان کی تخلیق اَوَّل عالم ارواح میں صرف ارواح کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ احادیث میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ)) [متفق علیہ] یعنی ارواح جمع شدہ لشکروں کی صورت میں تھیں۔ ان ارواح سے وہ عہد لیا گیا جو ”عہد الست“ کہلاتا ہے۔ پھر انہیں سلا دیا گیا۔ یہ گویا پہلی موت تھی جو ہم گزار آئے ہیں۔ (آپ جانتے ہیں کہ مُردہ معدوم نہیں ہوتا بے جان ہوتا ہے ایک طرح سے سویا ہوا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں موت اور نیند کو باہم تشبیہ دی گئی ہے۔) پھر دنیا میں عالم خلق کا مرحلہ آیا جس میں تناسل کے ذریعے سے اجساد انسانیہ کی تخلیق ہوتی ہے اور اُن میں ارواح پھونکی جاتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث کے مطابق رحم مادر میں جنین جب چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو اُس میں وہ روح لا کر پھونک دی جاتی ہے۔ یہ گویا پہلی مرتبہ کا زندہ کیا جانا ہو گیا۔ ہم اس دنیا میں اپنے جسد کے ساتھ زندہ ہو گئے، ہمیں پہلی موت کی نیند سے جگا دیا گیا۔ اب ہمیں جو موت آئے گی وہ ہماری دوسری موت ہوگی اور اس کے نتیجے میں ہمارا جسد وہیں چلا جائے گا جہاں سے آیا تھا (یعنی مٹی میں) اور ہماری روح بھی

جہاں سے آئی تھی وہیں واپس چلی جائے گی۔ یہ فلسفہ وحکمت قرآنی کا بہت گہرا نکتہ ہے۔
آیت ۲۹ ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ ”وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ بھی زمین میں ہے۔“

اس آیت میں خلافت کا مضمون شروع ہو گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ((إِنَّمَا الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَأَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ)) ”یہ دنیا تمہارے لیے بنائی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے بنائے گئے ہو۔“ اگلی آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت ارضی کا ذکر ہے۔ گویا زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے وہ انسان کی خلافت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ﴾ ”پھر وہ متوجہ ہوا آسمانوں کی طرف اور انہیں ٹھیک ٹھیک سات آسمانوں کی شکل میں بنادیا۔“
 یہ آیت تاحال آیات متشابہات میں سے ہے۔ سات آسمانوں کی کیا حقیقت ہے؟ ہم ابھی تک پورے طور پر اس سے واقف نہیں ہیں۔

﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ”اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“
 اُسے ہر شے کا علم حقیقی حاصل ہے۔



بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی تازہ ترین تالیف

تعارف قرآن

عظمت قرآن

سفید کاغذ • عمدہ طباعت • دیدہ زیب ٹائٹل

صفحات : 176 • قیمت : 90 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور